

قرآن اور حد

منکرین حدیث کے مسکات پر ایک ناقدانہ نظر

(۳)

منکرین حدیث کے مقالات پر نظر کرتے ہوئے، انکا حدیث کے دو وجوہ قرار دیے جاسکتے ہیں۔ ایک کہ اسلام کے نظام دینی میں سرے سے حدیث کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ صرف قرآن کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔

ان میں سے پہلی وجہ کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے۔ رہی دوسری وجہ، تو اس کی غلطی بھی اشارۃً گفتہ صحبت میں ظاہر کی جا چکی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ اس شبہ کو بھی تفصیل کے ساتھ رفع کر دیا جائے۔

احادیث کو ناقابل اعتبار سمجھنے کی اصل وجہ دہم اور شک کا حد سے زیادہ بڑھ جانا ہے انسان کی فطرت میں شک کا مادہ اٹلے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ بحث و تحقیق اور تلاش و تجسس کے لئے محرک ہو، اور حقیقت کی جستجو پر انسان کو ابھارے لیکن ہر چیز کے لئے ایک حد ہوتی ہے، جس سے گھٹنے یا بڑھ جانے پر مستحسن نہیں رہتی۔ شک کا مادہ اگر اتنا کم ہو جائے کہ آدمی ہر چیز کو بلا تحقیق تسلیم کر لے، تو یہ ضعیف الاعتقاد ہی ہے جو ایک مذہب صفت ہے۔ اسی طرح شک اگر اتنا بڑھ جائے کہ تحقیق کے ان طریقوں سے جو انسان کے امکان میں ہیں، اس کو مطمئن نہ ہونے دے، اور ان تمام باتوں سے انکار پر آمادہ کر دے جو تحقیق کے ایک غیر ممکن اصول معیار پر پوری نہ اترتی ہوں، تو یہ بھی ایک مذہب صفت ہے جس کو اردو زبان میں ”دہی پن“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ انسان اکثر و بیشتر معاملات میں صرف اس تحقیق پر اکتفا و کرنے کے لئے مجبور ہے جس سے صرف ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اگر وہ اس تحقیق میں شک کرے، اور علم یقین کے بغیر مشابہ

ماننے سے انکار کر دے، تو وہ دنیا کے کام کا نہ رہیگا بلکہ شاید زندہ بھی نہ رہ سکے گا۔ مثال کے طور پر میں نے آج تک کبھی کسی شخص کو سانپ کے کاٹنے سے مرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ خود مجھے سانپ نے کاٹا کہ اس کے مہلک ہونے کا مجھ کو علم یقین حاصل ہوتا۔ میں نے صرف لوگوں سے یہ سنا ہے کہ جب سانپ کاٹتا ہے تو انسان مر جاتا ہے۔ میں اس روایت پر یقین رکھتا ہوں، اور سانپ کو دیکھ کر اس سے بچ جاتا ہوں۔ لیکن اگر میں اس روایت میں شک کروں، اور کہوں کہ جب تک سانپ میرے سامنے کسی کو نہ کاٹے اور اسی کی تاثیر سے وہ میرے سامنے مرنے جائے، یا جب تک سانپ خود مجھ کو نہ کاٹے اور میں اس کے زہر سے نہ مر جاؤں، اس وقت تک میں یقین نہ کروں گا کہ سانپ مہلک ہوتا ہے، تو میرے اس شک کا جو کچھ انجام ہوگا وہ ظاہر ہے۔

یہ تو خیر روایت متواترہ کی مثال ہے جس کے مفید یقین ہونے کو عموماً تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ہماری زندگی کے بے شمار معاملات ایسے ہیں جن میں ہم اخباراً عادۃً یعنی ایک دو رادیوں کی دی ہوئی خبروں کو تسلیم کرتے ہیں، اور انہی پر اپنے فیصلوں اور اپنے علم و عمل کا مدار رکھتے ہیں۔ محض خبر ہونے کی حیثیت سے ہر خبر میں سچ اور جھوٹ ہونے کا یکساں احتمال ہوتا ہے مگر ہم ان دونوں پہلوؤں میں سے ایک کو ترجیح دینے کے لئے محض خبر کے خبر ہونے ہی پر نظر نہیں رکھتے، بلکہ عموماً خارجی قرائن سے مدد لے کر صدق یا کذب کے کسی ایک پہلو کو ترجیح دیتے ہیں، اور بسا اوقات ہماری یہ ترجیح اتنی زیادہ قوی ہوتی ہے کہ دوسرے پہلو کے امکان کو بھی تسلیم کرنے کے لئے ہم طیار نہیں ہوتے مثلاً ہر شخص کو یہ بات کہ وہ اپنے باپ کی جائز اولاد ہے، صرف اپنی مان کی روایت سے معلوم ہوتی ہے۔ اس خبر واحد میں جس کے لئے کوئی دوسرا شاہد سے مل ہی نہیں سکتا، نفس خبر ہونے کی حیثیت سے صدق و کذب کا یکساں احتمال ہے، لیکن کوئی شریف آدمی اس میں کذب کے پہلو کو ترجیح دینا تو درکنار کسی درجہ میں بھی تسلیم کرنے کے لیے طیار نہ ہوگا، خواہ واقعہ کے اعتبار سے اسکا اپنی مان کے بیان پر یقین کرنا درست نہ ہو۔

آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا تعلق جذبات سے ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جہاں جذبات کا دخل نہیں ہوتا وہاں بھی ہم اسی طرح اخبار اتحاد کی امکانی جانچ پڑتال کر کے صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں، اور اگرچہ اس ترجیح سے صرف ظن غالب حاصل ہوتا ہے، لیکن اس ظن پر ہم اسی طرح عمل کرتے ہیں جس طرح علم یقین حاصل ہونے کی صورت میں کرتے ہماری زندگی کے معاملات میں سب نئے اہم اور نازک معاملہ عدالت کا ہے جس میں جذبات کا ذرہ برابر دخل نہیں، بلکہ خالص اور عین عقلی احتیاج پر احکام کی بنا رکھی جاتی ہے۔ قاضی یا جج کے سامنے جتنے معاملات پیش ہوتے ہیں ان سب کا تعلق گذر ہوئے واقعات سے ہوتا ہے اور بہت کم واقعات بلکہ شاذ و نادر ایسے ہوتے ہیں جن میں شہادتیں تو اتر کی حد کو پہنچتی ہوں۔ بیشتر معاملات میں جج کے سامنے صرف اخبار اتحاد پیش ہوتے ہیں جنہیں وہ جرح و تعدیل، قرائن و آثار اور قیاس عقلی کی کسوٹی پر کس کرچ اور جھوٹ کے امکانی پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو براہ قرار دیتا ہے، اور جبکہ فی پہلو راجح ہو جاتا ہے، تو اس پر وہ اس طرح فیصلہ کرتا ہے، جیسے اس کے نزدیک واقعہ یقین کی حد تک ثابت ہو گیا ہے۔ اگر کوئی جج ہر شاہد کو جھوٹا اور شہادت کو غلط فرض کر کے اپنا کام شروع کرے، اور ہر واقعہ کو تسلیم کرنے کے لئے اصرار کرے کہ یا تو واقعہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے یا متواتر روایات اس تک پہنچیں، تو یقیناً چند ہی ساعتوں میں اس کو عدالت کی کرسی چھوڑ دینی پڑے گی۔ اسی طرح تجارت، تدبیر سلطنت اور دوسرے دنیوی کاروبار میں بھی رات دن اخبار اتحاد پر یہاں معاملات چلتے ہیں۔ بلکہ بہت سی خبریں تو ہم کو تار اور اخبارات کے ذریعہ سے ملتی ہیں جن کی صحت میں غلطیاں بہت سے شکوک و شبہات کی گنجائش ہوتی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس شخص نے ہم کو تار دیا ہے وہ حقیقت وہی شخص ہے جس کا نام تار پر لکھا ہوا ہے۔ اور اگر تار فی الواقع اسی کا دیا ہوا ہے تب بھی ہم کو نہیں معلوم کہ جو خبر وہ دے رہا ہے وہ اسے کس ذریعہ سے معلوم ہوئی؟ اور اس کا ذریعہ معتبر ہے یا نہیں؟ اس قسم کے بہت سے احتمالات ہر تار کی خبر میں ہوتے ہیں لیکن جن لوگوں کا سارا کاروبار انہی خبروں پر چلتا ہے۔

وہ ان احتمالات کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں محض ظاہری قرآن سے یہ جانچ لیتے ہیں کہ تاراہی کے ایجنٹ کا دیا ہوا ہے، یا نہیں، اور جب ایک ظن غالب ان کو حاصل ہو جاتا ہے، تو اس پر اپنے لاکھوں روپے لگا دیتے ہیں۔

یہی صورت مذہبی معاملات میں بھی ہے۔ سب سے بڑی چیز جس پر ہمارے ایمان کا مدار ہے، قرآن مجید ہے۔ اس کتاب کا کلام الہی ہونا ہم کو صرف ایک گواہ کی شہادت سے معلوم ہوا ہے، اور وہ گواہ ذات رسالت پناہ ہے نفس خبر ہونے کے لحاظ سے اس میں بھی صدق و کذب کا احتمال ہے۔ لیکن خبر جس گواہ نے دی ہے اس کی راست بازی، دیانت، پاکیزہ سیرت کو دیکھ کر، اور جو خبر اس نے دی ہے اس کی معقولیت اور حقانیت کا لحاظ کر کے ہم کذب کے پہلو پر صدق کے پہلو کو راجع قرار دیتے ہیں، اور پھر یہی ترجیح ایمان بن کر ہمارے قلب میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے کہ کذب کا تصور بھی ہمارے نہیں پاتا۔ لیکن دوسری طرف بہت سے لوگ ہیں جنہیں اس شاہدِ امین کی شہادت میں شک ہے، اور اسی شک کی بنا پر وہ اس کی تصدیق سے انکار کر دیتے ہیں۔ ہم میں اور ان میں اگر کوئی فرق ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ ہم نے ایک راست باز گواہ کی گواہی کو تسلیم کیا اور مسلمان ہو گئے، انہوں نے اس کی گواہی میں شک کیا اور کفر میں مبتلا ہو گئے۔ ورنہ یہ ظاہر ہے کہ وحی اترتے ہوئے نہ ہم نے دیکھی اور نہ انہوں نے۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ بالعموم اوسط درجہ کے انسان اپنی زندگی کے معاملات میں نہ اتنے ضعیف الاعتقاد ہوتے ہیں کہ ہر خبر کو بلا تحقیق تفتیش قبول کر لیں، اور نہ اتنے سخی اور وہمی ہوتے ہیں کہ ہر خبر کی صحت اور ہر راوی کی صداقت میں شبہ کریں، اور ہر معاملہ میں رائے قائم کرنے کے لئے اس علمِ یقین کا مطالبہ کریں جو صرف تجربہ و مشاہدہ یا روایت متواترہ سے حاصل ہوتا ہے۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان عقلِ سلیم اور معتدل فطرت رکھنے والے انسانوں کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ خبروں اور روایتوں کو امکانِ کافی ذرا تحقیق سے کام لے کر جانچتے ہیں، اور اس جانچ پر مال یہاں اگر ان کے غلط

ہونے کا گمان غالب (نہ یقین) ہوتا ہے تو انہیں رد کر دیتے ہیں، اور اگر ان کے صحیح ہونے کا گمان غالب (نہ یقین) حاصل ہو جاتا ہے تو ان کو قبول کر کے انہی کے مطابق عمل کرتے ہیں تحقیق اور جانچ پڑتال کا معیار بھی تمام خبروں کے لئے یکساں نہیں ہوتا بلکہ اس کے سخت اور نرم ہونے کا اعتدال خبر کی نوعیت اور اس معاملہ کی اہمیت پر ہوتا ہے جس سے اس خبر کا تعلق ہے۔

یہ تو اس مسئلہ کی عملی حیثیت تھی اب اگر آپ عقلی حیثیت سے بھی غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہی اعتدال کا طریقہ عین مطابق عقل ہے، اور اس کے خلاف ضعیف الاعتقادی اور جمہی پن، دونوں خلاف عقل ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ عقل کے نزدیک ہر واقعہ میں شک کرنا ممکن ہے، حتیٰ کہ محسوسات اور مشاہدات تک میں بھی شک کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ لازم نہیں کہ ہر وہ فعل جو کیا جاسکتا ہو، اس کا عقل کے نزدیک درست اور اس میں بھی ہونے کا بیان عقل - خبر کے متعلق صرف یہ حکم لگاتی ہے کہ اس میں صدق اور کذب یکساں احتمال ہے یعنی محض خبر ہونے کی حیثیت سے وہ سچ اور جھوٹ ہونے کا مساوی امکان رکھتی ہے اور جب تک کوئی معقول وجہ کسی ایک پہلو کو ترجیح دینے کے لئے موجود نہ ہو کسی خبر کو نہ سچ کہا جاسکتا ہے نہ جھوٹ لیکن کوئی خبر ہم کو محض خبر ہونے کی حیثیت سے نہیں پہنچتی، بلکہ اس کے ساتھ لازماً بہت سے ایسے قرائن بھی ہوتے ہیں جن سے تصدیق یا تکذیب کی جانب پلڑا ضرور جھکتا ہے۔ خاص شک کا مقام یعنی جہاں نہ تصدیق ہو اور نہ تکذیب، ایک ایسا باریک مقام ہے کہ انسان کا ذہن چند لمحے بھی اس پر نہیں ٹھہرتا، اس لئے ہر خبر کو سنتے ہی ذہن فوراً ایسے وجوہ تلاش کرنے لگتا ہے جن سے مدد لے کر وہ شک کے مقام سے تصدیق یا تکذیب کی طرف جائے اور یہ بات بالکل ذہن کے سلیم یا مریض ہونے پر موقوف ہے کہ وہ ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی پہلو کو معقول وجوہ کے ساتھ ترجیح دیتا ہے یا غیر معقول وجوہ کے ساتھ کسی خبر کا متواتر نہ ہونا یا خبر واحد ہونا عقلاً اس کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے کہ اس کے غلط ہونے کا حکم لگا دیا جائے، نہ یہ بات کسی خبر کو جھوٹ قرار دینے کے لئے کافی اور معقول وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ بہت قدیم زمانہ سے متعلق ہے

ہم تک بہت سے واسطوں سے پہنچی ہے۔ نہ کوئی صاحب عقل آدمی یہ فرض کر سکتا ہے کہ ہر خبر جھوٹا ہوتا ہے اور دنیا کے تمام خبر آپس میں متفق ہو کر جھوٹی خبریں دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس قسم کے تمام مفروضات جو تکذیبی ذہنیت رکھنے والوں کے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتے ہیں، اور جن کی بنا پر وہ ہر خبر کی تکذیب کی طرٹ پائل ہو جایا کرتے ہیں، قطعاً خلاف عقل ہیں، اور اسی طرح اس کے برعکس جن مفروضات کی بنا پر ہر خبر اور ہر خبر کی تصدیق کی جاتی ہے، وہ بھی عقل کے مطابق نہیں ہیں۔ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان صحیح راستہ جو ایک سلیم الفطرت ذہن اختیار کرے گا وہ یہی ہے کہ وہ مجموعاً تمام خبروں کی تصدیق کرے گا اور نہ تکذیب۔ بلکہ ہر خبر کو فرداً فرداً اس کے مخصوص حالات کے لحاظ سے تحقیق و تفتیش کے ایک خاص معیار پر جانچے گا اور جب اس تحقیق کے ذریعہ سے صدق و کذب کے دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف گمان غالب حاصل ہو جائے گا تو وہ اسی پہلو کا حکم لگا دیگا۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ کسی خبر کی تحقیق کا سخت سے سخت قابل عمل معیار کیا ہو سکتا ہے؟ فرض کیجئے کہ ایک شخص زید اب سے سو برس پہلے گزرا ہے، جس کے متعلق عمر و ایک روایت آپ تک پہنچاتا ہے۔ آپ کو تحقیق کرنا ہے کہ زید کے متعلق یہ روایت درست ہے یا نہیں؟ اس غرض کے لئے آپ حسب ذیل تعلیمات قائم کر سکتے ہیں۔

۱۔ یہ روایت عمر و تک کس طریقے سے پہنچی؟ درمیان میں جو واسطے ہیں ان کا سلسلہ زید کا پہنچنا ہے یا نہیں؟ درمیانی راویوں میں سے ہر راوی نے جس شخص سے روایت کی ہے اس سے وہ ملا بھی تھا یا نہیں؟ ہر راوی نے روایت کس عمر اور کس حالت میں سنی؟ روایت کو اس نے لفظ بلفظ نقل کیا یا اس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا؟

۲۔ کیا یہی روایت دوسرے طریقوں سے بھی منقول ہے؟ اگر منقول ہے تو سب بیانات متفق ہیں یا مختلف؟ اور اختلاف ہے تو کس حد تک؟ اگر کھلامیہ اختلاف ہے تو مختلف طریقوں میں سے کون

طریق روایت زیادہ معتبر ہے؟

۴۔ جن لوگوں کے واسطے سے یہ خبر پہنچی ہے وہ خود کیسے ہیں؟ جھوٹے یا بددیانت تو نہیں؟ اس سوال میں ان کی کوئی غرض تو مخفی نہیں؟ ان میں گیسح یا درکھنے اور صحیح نقل کرنے کی قابلیت تھی یا نہیں؟
۵۔ زید کی افتاد طبع اس کی سیرت اس کے خیالات اور اس کے ماحول کے متعلق جو مشہور و متواتر روایات یا ثابت شدہ معلومات ہمارے پاس موجود ہیں؟ یہ روایت ان کے خلاف تو نہیں ہے۔
۵۔ روایت کسی غیر معمولی اور بعید از قیاس امر کے متعلق ہے یا معمولی اور قرین قیاس امر کے متعلق؟ اگر پہلی صورت ہے تو کیا طریق روایت اتنے کثیر، مسلسل اور معتبر ہیں کہ ایسے امر کو تسلیم کیا جاسکے اور اگر دوسری صورت ہے تو کیا روایت اپنی موجودہ شکل میں اس امر کی صحت کا اطمینان کرنے کے لئے کافی ہے؟

یہی پانچ پہلو ہیں جن سے کسی خبر کی جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔ ان سوالات کے متعلق اگر ذریعہ تحقیق ہمارے پاس موجود ہوں اور ان ذرائع سے کوئی متبحر تحقیق کے معیار پر پوری اتر جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کی تکذیب کریں۔ اور اگر کوئی خبر اس معیار پر پوری نہ اترے تو ہم کو حق ہے کہ خواہ اس کی تکذیب کریں، یا اس کو رد کر دیں۔ لیکن اگر ذرائع تحقیق موجود ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص خردا فردا ہر خبر کو جانچنے اور اس کے متعلق رائے قائم کرنے کے بجائے تمام خبروں کو مجبوتاً اس بنا پر رد کر دے یا جھوٹ قرار دے کہ ان میں بعض جعلی خبریں ملی ہوئی ہیں یا بعض راویوں کی کمزوریاں ثابت ہیں، یا بعض خبریں اس شخص کی عقل میں نہیں تھیں، تو اس سے بڑھ کر غیر معقول طرز عمل اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

اس تہبیدی بیان نے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے۔ اگر کوئی شخص ذات رسالت پناہ کے اسوہ حسنہ اور سنت مطہرہ سے کوئی تعلق رکھتا ہے نہ چاہتا ہو، تو یہ ایک دوسری بات ہے لیکن اگر وہ جھوٹ کی تقلید فرض سمجھتا ہے، اور اسے یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ حضورؐ نے اپنی ۲۳ سال کی حیات نبوی

کس طرح زندگی بسر کی؟ کون نے افعال کئے؟ کس افعال سے اجتناب کیا؟ کس باتوں کو جائز رکھا؟ کس باتوں سے منع فرمایا؟ تو لا محالہ اس کو حدیث کے ذخیرہ کی طرف توجہ کرنی پڑے گی۔ یہاں وہ دیکھے گا کہ اس وقت بھی دنیا میں کم و بیش چار پانچ لاکھ آدمی ایسے موجود ہیں جن کے پاس حدیث کی کتابیں یا مالک، امام محمد، امام شافعی، امام احمد ابن حنبل، امام بخاری، اور دوسرے ائمہ حدیث سے سلسلہ سلسلہ پہنچی ہیں، اس لئے اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتابیں انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں پھر اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان بزرگوں نے ہر حدیث کی جو سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام تک پہنچائی ہے، وہ کم از کم ان کی تحقیق کے لحاظ سے درست تھی۔ لہذا ان کتابوں کے ذریعہ سے حد کا وہ علم قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے، پہلی دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے ائمہ حدیث کے پاس تھا۔ اس کے علاوہ احادیث کے متعلق وہ تمام معلومات بھی معتبر کتابوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچ گئی ہیں جن سے کام لے کر محدثین نے حدیثوں اور ان کے راویوں کے حالات کی جانچ پڑتال کی ہے۔ اوپر ہم نے ایک خبر کی تحقیق کے لئے جو فقہی سوالات قائم کئے ہیں ان میں سے ہر سوال کا مفصل جواب قریب قریب ہر حدیث کے متعلق ہم کو ان کتابوں میں مل جاتا ہے، اور محدثین کے درمیان احادیث اور ان کی تحقیق کے بارے میں جو اختلافات آرا رہے ہیں وہ بھی تمام دلائل اور وجوہ کے ساتھ محفوظ ہیں۔ اس وسیع مفصل اور زیادہ سے زیادہ امکانی وثوق رکھنے والے ذخیرہ کے موجود ہوتے ہوئے، کوئی صاحب عقل انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا کوئی واقعہ اور آنحضرت کا کوئی ارشاد آج دنیا میں صحت کے ساتھ موجود نہیں ہے۔ ایسا دعویٰ کرنے والے کو سب سے پہلے ثابت کرنا پڑیگا کہ عہد رسالت سے لیکر ہمارے زمانہ تک جولاکھوں سے متجاوز اور کروڑوں تک پہنچے ہوئے مسلمان احادیث نبوی کے نقل کرنے اور سننے سنانے میں متخول رہے ہیں۔ وہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر چھوٹے تھے اور انہوں نے بالاتفاق یہ طے کر لیا تھا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گھڑنے اور اس طریقے سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور اسلام کو تباہ و برباد کرنے ہی میں اپنی ساری عمر بسر کرینگے۔ اگر کوئی منکر حدیث اس امر کا ثبوت رکھتا ہے تو وہ اس کو پیش کرے۔ ہم ایسے یقین دلاتے ہیں کہ ساری دنیا کے محققین اور مکتشفین کے کارنامے اسکی اس قدر تحقیق کے سامنے دب جائینگے لیکن اگر اس کے پاس بدگمانی اور جھوٹے الزامات، اور کل پر بعض کا حکم لگانے کے مخالفہ انجیز اور خلاف عقل و دیانت طریقوں کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کر سکتا تو اسے کم از کم یہ امید نہ رکھنی چاہئے کہ جن لوگوں کی عقل درست ہے اور جو فطرت سلیمہ سے بہرہ ور ہیں وہ بھی اس کے دعوے کو تسلیم کر کے حدیث کی ساری خبروں کو مجموعی حیثیت سے غلط اور قابل رد قرار دیں گے۔

ہم نے کبھی اس خیال کی تائید نہیں کی کہ شخص کو ائمہ حدیث کی اندھی تقلید کرنی چاہئے یا ان کو غلطی سے برا سمجھنا چاہئے۔ نہ کبھی ہم نے یہ دعویٰ کیا کہ ہر کتاب میں جو روایت قال رسول اللہ سے شروع ہو اس کو انھیں بندھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مان لیا جائے۔ بلکہ اس کے ہمارے نزدیک کسی حدیث کو حدیث رسول قرار دینے کی ذمہ داری ایک گران بار ذمہ داری ہے جس کو اٹھانے کی جرات کافی تحقیق کے بغیر مگر نہ کرنی چاہئے۔ اور تحقیق و اجتہاد کے متعلق بھی ہمارا مذہب یہ ہے کہ اس کا دروازہ ہر زمانہ میں کھلا ہوا ہے، اور کسی خاص عہد کے لئے مخصوص نہیں ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جن لوگوں نے فن حدیث کی تحصیل اور اس کے باقاعدہ مطالعہ اور تحقیقات میں پورا ایک مہینہ بھی صرف نہیں کیا ہے ان بزرگوں کے کارناموں پر تنقید کریں جنہوں نے پوری پوری عمریں اس فن کی خدمت میں بسر کی ہیں۔ صرف ایک فن حدیث ہی پر موقوف نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی علم و فن بھی آپ کو ایسا نہ ملے گا جس میں بتدیوں اور انارٹیوں کو ریسچ اور ماہرانہ اظہار ملے، اور مجتہدانہ کلام کا حق دیا جاتا ہو۔ یہ حق انسان کو صرف اُپ وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ فن کے مبادی اور اصول پر پوری طرح حاوی ہو چکا ہو، اور جتنا ذخیرہ معلوم اس فن کے متعلق موجود ہو، وہ سب اس کی نظر میں ہو۔ باقی رہا وہ شخص جو ابھی اس مرتبہ تک نہیں پہنچا ہے

تو اس کے لئے سلامتی اسی میں ہے کہ وہ ائمہ فن کی تحقیقات اور ان کی آراء کا اتباع کرے۔ تمام دنیوی علوم کی طرح مذہبی علوم میں بھی یہی طریقہ بہتر اور صحیح تر ہے۔ اس کو چھوڑ کر جو لوگ اجتہاد بلا علم کا علم بلند کرتے ہیں۔ وہ دنیا اور دین دونوں میں اپنے لئے روائی کا سامان کرتے ہیں۔

نوٹ:- اس مضمون کی پہلی قسط شائع ہونے کے بعد جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ "بلاغ" نے میرے پاس مولانا احمد الدین صاحب امرتسری کی کتاب "برہان القرآن" بھیجی اور اس کے ساتھ اپنے خط نامے میں مجھ سے خواہش فرمائی کہ اس مضمون کو لکھتے وقت کتاب مذکور کو بھی پیش نظر رکھوں نیز انہوں نے مجھے کو یقین دلایا کہ اگر محققانہ طرز میں حقیقت حدیث کے چہرے سے نقاب اٹھا دیا گیا تو ان کی جماعت قبول حق میں تامل نہ کرے گی میں اس غنایت نامے کیلئے موصوف کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ان کی حق پسندی پر انہیں مبارکباد دیتا ہوں۔ "برہان القرآن" کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ ایک علمائے نقید کی محتاج ہے، اور اس مضمون میں اس پر بحث کرنا فلفطی بحث کا موجب ہوگا۔ اس لئے انشاء اللہ مغرب اس پر مفصل تبصرہ کروں گا۔ خدا مجھ کو احتیاق حق کی توفیق عطا فرمائے اور بکجوی و بکرہ سے محفوظ رکھے۔

اسٹیشنری

کیا آپ جانتے ہیں کہ حیدرآباد میں بہترین اسٹیشنری کہاں مل سکتی ہے؟ دیکھیے پتھر گٹھی روڈ پر فدا علی محمد علی جنرل پیپر اینڈ اسٹیشنری مرچنٹ کی دوکان جہاں تمام قسم کے فونن پن اور کاغذات کے علاوہ اسٹیشنری کا سامان کفایت سے اور نہایت عمدہ قلم لکھتا ہے۔ ضرورت کے وقت سیلف فونل سے بھی دریافت کر سکتے ہیں۔ (فون ۷۵۷۷)